

”مجھے تو ابھی تک نہیں پتہ کہ کیا ہوا تھا.. ہوش آیا ہے تو یہ تھہ خانہ تھا.. کیا ہوا تھا؟“

”کیا پتہ.. یاد نہیں وہ ہمیں اوپر قلعہ جنگی کے احاطے میں لے آئے تھے کہ بس یہاں تمہاری تصویریں اتاریں گے.. کہاں سے آئے ہو، کیا نام ہے، یہ سب کچھ درج کر کے تمہیں چھوڑ دیں گے.. پھر بغاوت ہو گئی.. اللہ کو علم ہے کہ ہم کیسے بغاوت کر سکتے تھے.. دو چار عرب ایسے تھے جن کی شلواروں میں کچھ ہتھیار اور گرنیڈ تھے.. ان پر ستم ہوا تو انہوں نے چلا دیئے تو شمال والے غصے میں آگئے..“

”آہو یار.. کوئی خرگوشوں کو بھی ایسے نہیں مارتا جیسے انہوں نے ہمارا خون خرابہ کیا.. ٹینکوں سے گولے چلائے.. راکٹ پھیکے اور کبھی دیواروں کی اوٹ سے ہم پر گولیوں کی بارش کر دی... ہم سب تو نہتے تھے.. کنیوں کے ہاتھ بند ہے ہوئے تھے.. خرگوشوں کی طرح اچھلنے اور بھاگنے لگے.. پر خرگوش تو پھر اپنے سوراخوں میں گھس جاتے ہیں، ہم کہاں گھتے.. لیکن پیچی پیچی ہم جتنے بھی تھے.. ہزار کے آس پاس تو ہوں گے، ہم میں پشتون بڑے تھوڑے تھے.. یہ گل شیر تو ہمارے والا پشتون ہے نا.. سب ہمارے جیسے پر دلیسی تھے اور ہم نے ہاتھ کھڑے کر کے اللہ رسول کے واسطے دیئے کہ ہمارے پاس کوئی ہتھیار نہیں.. پر انہوں نے توفیصلہ کر لیا تھا ان.. پھر اوپر سے امریکی جہاز آگئے.. یار پیچی پیچی تم کیسے اس تھہ خانے میں آئے تھے؟“

”میں سب سے آخر میں آیا تھا..“

”سب سے پہلے کون آیا تھا..؟“

”پتہ نہیں..“

”میں آیا تھا..“ کہیں کوئی بولا..“

”کوں..“

”میں عبدالحمید جان واکر... میں آیا تھا..“

”کیسے جانی کیسے..“ مرتضی کھل گیا کہ وہ بولنے کے قابل ہو رہا ہے۔

”بتابو جانی، تم کیسے آئے تھے؟“

”میں..“ جانی بڑا نے لگائیں گھوڑے پر اپنے بازوؤں کی گرفت ڈھیلی کئے بغیر جیسے اسی کو سنا رہا ہو۔ ”جب بی-52 کے کلستر بم اترے اور پہلے بہت اور پھر فضائیں پھٹے اور پھر ان میں سے سینکڑوں چھوٹے چھوٹے بم ایک گلاس جتنے ہم پر برستے لگے اور ہمارے پرخچے اڑنے لگے.. میرے بدن پر اتنے لوٹھڑے.. دوسروں کے لوٹھڑے چکے ہوئے تھے کہ ان سے ایک اور بدن بنایا جا سکتا تھا.. جانے کس کس کے اور کون کون سے اعضاء اڑتے ہوئے میرے جسم کے ساتھ آگئے تھے.. اور وہا بھی تک گرم تھے تو میں پہلے تو موت اور پاگل پن کے سنائے اور قہر میں آیا ہوا قلعہ جنگلی کے صحن سے فرار ہونے کی بجائے وہیں کھڑا منہ اٹھا کر اپنے ہم وطنوں کو گالیاں دینے لگا.. یو بلڈی راسکلز... یوس آف بچر.. لیکن وہ بہت ہی بلندی پر تھے۔ ان تک میری گالیاں کہاں پہنچ سکتی تھیں.. ویسے وہ سن لیتے تو تحریر ان بہت ہوتے کہ یہ نیچے شلواروں اور پیڑیوں کی جو بھگدڑ پھی ہے، ان میں سے ایسی امریکی گالیاں کون دے سکتا ہے.. پھر ایک چھوٹا بم میرے قریب پھٹا... میری ناک میں سے خون بہنے لگا اور اس کی کر چیاں میری ٹانگوں میں چھید کر گئیں اور میں لنگڑاتا ہوا بھاگنے لگا.. فصیل کی جانب.. اور ادھر شماںیوں کی گولیاں اور راکٹ تھے اور اوپر وہ باسٹرڈ تھے.. تب مجھے صحن میں ایک شگاف سانظر آیا اور وہاں سیڑھیاں تھیں.. ان تک میں بہت دشواری سے پہنچا کہ میرے اوپر دھڑادھڑ خون آکو د پرخچے بوجھ بن کر گر رہے تھے.. تو میں پہلا تھا.. جب یہاں کوئی نہیں تھا تو میں تھا..“

”تمہارے بعد میں اترا تھا..“ عبد الوہاب کی آواز اگرچہ مضم تھی لیکن تمہے خانے میں گوئی آئی۔ ”اترا تو نہیں.. میں ان سڑیوں کے آس پاس کہیں تھا تو ایک گولی یا بام کا لکڑا امیری پسلیوں میں آ لگا اور میں لڑھکتا ہوا نیچے یہاں آگیا.. مجھے نہیں معلوم تھا کہ میں کہاں آگرا ہوں.. لیکن جب میں نے اپنے آپ کو سنبھال کر آس پاس دیکھا ہے تو جانی تم.. ایک کونے میں سمنے ہوئے بیٹھے تھے اور میں تمہاری گوری رنگت اور سنہری بال دیکھ کر خونزدہ ہو گیا کہ امریکی یہاں بھی آگئے ہیں..“ وہاب کے معدے میں گھوڑے کے گوشت نے اتنی حدت پیدا کر دی تھی کہ اب وہ نہایت فصاحت اور بلا غلت کا مظاہرہ کرنے کے موڑ میں تھا لیکن چیزیں نے اسے مزید موقع نہ دیا۔ اندھیرے میں جیسے اعلان کیا۔ ”پھر کون آیا تھا؟ امریکی اور عربی کے بعد پھر کون آیا تھا..“

”میں؟“

”کون میں؟“

اندھیرے میں کیا پتہ کہ یہ ”میں“ کہاں سے آیا تھا.. وہاب دیدے چھاؤ پھاڑ کر تاریکی میں تعین کرنے لگا..

”میں.. مرتضی بیگ..“

”یہ میرے قریب ہے.. میں جانتا ہوں۔“ جانی تقریباً نہ سا۔ ”یہ بار بار میرے گالوں کو ہاتھ لگا کر دیکھتا تھا کہ میں زندہ ہوں یا نہیں اور میرے بازو گھوڑے سے الگ کرتا تھا.. اس لیے میں جانتا ہوں کہ یہ میرے قریب ہے.. بتاؤ بیگ..“

”میں ایک فوجی کا بیٹا ہوں اور جنگ کی اس حکمت عملی سے والق ہوں کہ تم جہاں کہیں بھی ہو، اپنی پوزیشن کا تعین کر کے فرار کے راستے کا بھی تعین کر لو.. جب وہ ہمیں مزار شریف سے ایک روپڑ کی صورت میں ہانگتے اوھر قلعہ جنگی لو..“

کے احاطے میں لے آئے تھے تو میں نے یہاں داخل ہوتے ہی یہ دیکھ لیا تھا کہ وسیع کچے صحن کے مغربی کونے میں چند کوٹھریاں ہیں اور ان کے فرش کے برابر میں کچھ سیڑھیاں نیچے جا رہی ہیں .. جب شہاب والے ہمیں بھون رہے تھے اور جب پہلے ڈینی کڑنے صحن میں ایک آتش فشاں کی مانند گڑھا بنا لیا تو میں اندر ھادھنداں سیڑھیوں کی طرف بھاگا .. لیکن اس سے پیشتر میں نے ایک زخمی کے شکنے میں کسی ہوئی کلا شکوف کھینچی اور اسے فائر کرتا ہوا یہاں اتر آیا .. پہلے تو گھپ اندر ھیرا تھا اور پھر یکدم مجھے دو ہیو لے دکھائی دیئے اور میں انہیں شوٹ کرنے کو تھا کہ میں نے سنائے ان میں سے ایک ... کلمہ پڑھ رہا تھا تو میں رک گیا۔

”ہاں ..“ وہاب بولا۔ ”میں نے سمجھا کہ کوئی شماں میرے تعاقب میں ادھر آنکلا ہے اور مجھے شوٹ کرنے کو ہے تو میں کلمہ پڑھنے لگا۔“

”ان کے بعد میرا نمبر آتا ہے۔“ اللہ بخش چکنے لگا .. اور اس کی آواز میں نہ نقاہت تھی اور نہ لرزش۔ ”آہو .. میرے اوپر تو اتنے بندے مرمر کے گرے کہ میں ان میں دب گیا .. اگر وہ مکمل طور پر لا شیں ہوتے تو میں کبھی ان میں سے باہر نہ آسکتا .. پروہا بھی تڑپتے اور پھر کتے تھے اور آگے پیچھے ہوتے تھے تو مجھے ان میں سے نکلنے کی گنجائش مل گئی .. گھستتا ہوا نکلا ہوں تو آگے یہ سیڑھیاں تھیں، میں بھی اتر انہیں .. دھڑام کر کے اندر گر گیا .. میں نے انہیں دیکھا کہ اندر کوئی اور بھی ہے .. میں تو گرا ہوں ناں تو بس ہوش میں نہیں رہا ..“

”تو پہلے .. امریکی .. پھر عربی .. اور تیسرا پاکستانی .. اس کے بعد؟“

”تم گفتگی کر رہے ہو چی چی .. ڈائری لکھ رہے ہو .. حساب کتاب کر رہے ہو؟“ ہاشم میر غصب میں آگیا .. اس کی اردو میں برطانوی انگریزی کا لہجہ گھرا تھا۔

”کیا فرق پڑتا ہے کہ یہاں کون کب آیا تھا ..“

”اخی .. یہ توزندہ رہنے کے لیے ایک مشق ہے .. باقیں کرتے جانا۔“

وہاب بہت ہی نرمی اور دھیرج سے بولا۔ جیسے ایک بچے کو سمجھاتے ہیں۔ ”چپ ہو گئے تو گئے..“

”تو بس ان کے بعد میں آیا ہوں یارا..“ دیر والا ذرا دیر کر کے بولا
کیونکہ وہ ہاشم کی ڈانٹ سے ڈر گیا تھا۔ مجھے تو حرام ہے کہ کچھ یاد پڑتا ہو کہ میں
کیسے اور کب اس خانہ خراب اندھیرے میں آیا ہوں... جب وہ دن گزرائے.. اور
اوپر خاموشی چھا گیا ہے تو ب محظے پتہ چلا کہ ادھر تو اور لوگ بھی ہے.. بہت پناہ
گزین ہے.. آپ قسم لے لو، پر میرے کو کچھ معلوم نہیں، کچھ یاد نہیں کہ ادھر
کیسے آپڑا ہوں.. بس زندگی باقی تھا تو ادھر گرا ہوں.. یارا ہاشم درست بات کرتا ہے
کہ ہم نے گفتی تو نہیں کرنا کہ کون کب آیا تھا.. کیا فرق پڑتا ہے..“

”تو اور کیا بات کریں؟“ وہاب نے قدرے ناراضگی سے کہا..

”یہ بات کرو کہ یارا تم لوگ نے کبھی ہمارا ریاست دیر کا مالا کھایا ہے؟

آج بہت یاد آتا ہے۔“

”اوے خان صاحب.. ادھر تمہارے ہاں تو نسوار وغیرہ چلتا ہے، یہ مالا

کدھر سے آگیا؟“

”تم جانتا نہیں ناں.. جہاد کے لیے ادھر تو آگیا ہے پر اپنے وطن کو نہیں
جانتا.. یارا دیر میں بہت پیاز ہوتا ہے اور مالا ہوتا ہے اور اتنا شیریں ہوتا ہے کہ...
ادھر اس خانہ خراب گھوڑا کاماس کھا کھا کر جگر میں گرمی پیدا ہو گیا ہے، اتنا ہو گیا
ہے اپنا مالا کا رس یاد آتا ہے کہ کیسے حلق ترکر تا تھا..“

”تم نے کبھی سرگودھے کا کنوں نہیں کھایا ناں خان صاحب..“ اللہ بخش
لہک کر بولا۔ ”نہ کبھی مکنی کی روٹی اور سرسوں کا ساگ کھایا ہے...“

”یارا مکنی تو ہمارے علاقے میں بہت ہوتا ہے اور پنجاب سے بہتر ہوتا
ہے.. پنجاب کا مکنی تو جانور بھی نہیں کھاتا اور ساگ پات بھی بھیڑ بکری کے لیے

ہوتا ہے۔ تم گوشت موشت کی بات کرو ہم سے ..“

”لو بھائی جی یہ ہماری مکنی کو برا کہہ رہا ہے ... چلو مان لیا کہ پہاڑوں میں
مکنی ذرا میٹھی ہوتی ہے، پر ہمارے گئے کا کوئی جواب ہے تمہارے پاس؟“

”یارا تم نے مردان کا گناہ نہیں کھایا ناں ... تمہارا گناہ بھی ڈھور ڈنگر کا
خوراک ہے ..“

مرتضی بیگ باقاعدہ ہنسنے لگا۔ ”یہ تم لوگ کن چکروں میں پڑ گئے ہو...
ویسے مجھ سے بھی تو کوئی پوچھو کہ مجھے کیا یاد آتا ہے ...“

”بتابویارا تم بھی بتاؤ...“

”مجھے میکنڈ انلڈ کا زنگر بر گر اور آئس کریم یاد آتی ہے ... آئس کریم ... واقعی
گھوڑے کا گوشت جہاں بدن کو گرم کرتا ہے وہاں خشکی بھی پیدا کرتا ہے تو اس
کریمی آئس کریم کے دو چھپے اس وقت مل جائیں ناں ...“

”امریکیوں کے خلاف ہو لیکن ان کی خوراک کی تعریف کرتے ہو...“
وہاب نے کہیں سے آواز دی۔ ”ہاشم تمہیں بھی کچھ یاد آتا ہے ... ہاشم -“

ہاشم نے کروٹ بدلتی ... اپنا کان ادھر کیا جدھر سے یہ آوازیں آ رہی
تھیں ... مسلسل اس کے کانوں میں اتر رہی تھیں اور وہ بھی ہنسا .. ”بریڈ فورڈ کی
سر در اتوں میں فرش اینڈ چپس کھانے کا بھی اپنا لطف ہے ... لیکن ماں کے ہاتھوں
کے باریک گرم گرم ٹھلکے اور گھنے تہہ دار پر اٹھے ... کبھی قیمتے کے کبھی مولی
کے ...“

”گھوڑے کے قیمتے کے؟“

خاموشی ہو گئی ...

اندھیرا اگر مزید گھنا ہو سکتا تھا تو ہو گیا ... وہ اس تہہ خانے میں کہیں اور
چلے گئے تھے، پھر سے واپس آگئے ... لمحہ موجود کی حقیقت میں ... اس کی قطعیت

اور اس کا آخری پن اُن پر غالب آگیا.. لمحہ موجود کی قطعیت کے آخر میں ایک اذیت ناک انجمام اور یقینی موت کے سوا اور کچھ نہ تھا... ان سب کی زبانوں پر اس لیے تالے پڑ گئے تھے کہ وہ انجمام بالکل قریب آچکا تھا... .

جھیل بند امیر کے پانی اتنے بلوریں اتنے شفاف اتنے نیلگوں تھے کہ جب ایک محاذ سے واپسی پر عبدالوہاب نے ایک ٹیلے کو عبور کرتے ہوئے انہیں یکدم اپنے سامنے پایا تو وہ گنگ رہ گیا تھا.. یقین نہ کر سکا کہ دنیا میں ایسے پانیوں کا وجود بھی ممکن ہے... ہر عرب میں دوسری قوموں کی نسبت پانی کی پیاس زیادہ ہوتی ہے... ان کا ایک مذہبی الیہ بھی پانی سے ہی جنم لیتا تھا.. بند امیر جھیل ایک ناقابل فہم سراب تھی۔ اگرچہ حقیقت تھی.. خشک ویرانیوں میں گھرا ہوانیلاہث کا ایک جزیرہ..

عبدالوہاب اس میں تیر رہا تھا..

جھیل کی تہہ کی ریت کا ایک ایک ذرہ اسے دکھائی دے رہا تھا... پانی اتنے شفاف تھے.. مزار شریف کے راستے میں جھیل بند امیر ایک سیال گنیہ تھی.. اس کی کل وسعت میں صرف ایک بدن تھا جو اس میں تیرتا اور ابھرتا تھا.. اس کے ساتھی پریشان تھے کہ وہ اتنی بے اختیاری سے اس کے پانیوں میں کیوں کو دگیا تھا.. وہ اس کی پیاس سے ناواقف تھے.. کنارے سے اسے آوازیں دیتے تھے کہ ادھر شمال والے ہو سکتے ہیں.. خطرناک علاقہ ہے، ادھر سے نکل چلو... لیکن وہاب کے لیے ان نیلگوں پانیوں میں ہونا ایک جنت سے کم نہ تھا.. ایک متوقع جنت سے یہ جنت کہیں افضل تھی جو اس فانی بدن کے ایک ایک مسام کو ٹھنڈک اور نیلاہث سے بھرتی تھی..

عبدالوہاب اس میں تیر رہا تھا لیکن جھیل کے کنارے خالی ہو چکے تھے..

اس کے ساتھی جا پکے تھے.. اسے تنہا چھوڑ کر چلے گئے تھے..

وہ ذکری لگا کر پانیوں کے اندر جو نیلا آسمان تھا، اس میں تیر رہا تھا.. یہاں کوئی آواز نہ تھی.. کلاشکوف کی کانوں کے پردے کٹ کٹ کٹ کٹنے والی آواز.. کوئی دھماکہ نہ تھا.. ڈیزی کٹر اور کلستر بم کے زہریلے گرم آہنی تکڑے نہ تھے.. ایک نیلی خاموشی تھی اور کیمبرج کا ”بال“ تھا.. ماہ میں منعقد کیا جانے والا سالانہ رقص.. اور جینیفر تھی.. وہاب تم ناچتے تو بہت اچھا ہو لیکن بار بار میرے پنجوں پر پاؤں رکھ دیتے ہو ایک اونٹ کی طرح... اس لیے جینیفر کہ میں ایک اونٹ ہوں جو تمہارے عشق میں دیوانہ ہو کر بے اختیار ہو گیا ہوں اور بلبلتا ہوں.. تمہاری نیلی آڑش آنکھوں میں جو نخلستان ہیں، ان کے چشموں سے اپنی پیاس بجھانا چاہتا ہوں.. ہم عربوں میں پیاس بہت ہوتی ہے..

”بال“ کی الگی سوری کی گہری دھند میں کیمبرج کے دریا میں اس کی کشتنی دھیرے دھیرے سرکتی آگے ہوتی تھی.. وہ تیزی سے چپو چلا کر یکدم آگے ہوتا اور سامنے بیٹھی جینیفر اس کے قریب ہو جاتی اور اس کے لب گیلے کر دیتی..

جھیل بند امیر جینیفر کی نیلی آنکھ تھی جس میں وہ تیرتا تھا..

”بھائی جی.. کچھ تو بولو.. آج میرا دل کرتا ہے بولنے کو..“ جب سب لوگ خاموشی میں چلے گئے اور ایک طویل مدت سنائی میں کٹ گئی تو اللہ بخش نے کہا..

”میں..“ وہاب کی آنکھوں کے سامنے گھپ اندھیرا تھا.. جینیفر نہ تھی.. نہ نیلی آنکھیں اور نہ جھیل بند امیر کے پانی.. ”میں پانیوں میں تھا..“

”اچھا..“ اللہ بخش نے حیرت سے کہا.. ”پر کیوں؟“

”مجھے پانی پسند ہیں۔“

”مجھے بھی..“ اللہ بخش نے موقع غنیمت جانا اور پھر بولنے لگا۔ ”لو جی

مجھے بھی پانی بڑا پسند ہے.. چوہدری شاء اللہ کے کنوں میں سے سویرے سویرے... اور سردیوں کی سویرے اولوں میں سے جو پانی گرتا ہے ناں اور میں اس کے نیچے بیٹھ کر... چوہدری کی اجازت سے نیچے بیٹھتا تھا تو وہ کیا پانی ہوتے تھے، عربی.. سردیوں میں جب کھیت لگر سے سفید ہوتے تھے، برف سفید تو اس پانی میں سے بھاپ اٹھتی تھی اور وہ بدن کو ٹکور کرتا تھا.. ایک سویرے.. میں وہاں نہاتا تھا جب میں نے زینب کو پہلی بار دیکھا تھا..”

”زینب..“ وہاب چونکا۔ ”کیا مقدس نام لیا ہے تم نے پاکستانی..“

”نہ جی.. زینب تو ڈنگروں کی کوٹھڑی میں سے گو بر جمع کرنے کے لیے

آتی تھی اور پھر سارا دن اُپلے تھا پری رہتی تھی.. اسے پہلی بار دیکھا تھا..“

”پھر کیا ہوا؟“

”پچھے نہیں..“ اللہ بخش نے بھولپن سے کہا۔ ”پھر پچھے بھی نہیں..“

”میرا خیال تھا کہ تم کسی پچی محبت کی کہانی سنانا چاہتے ہو..“ پچی پچی بولا..

”اس نے میری طرف دیکھا ہی نہیں.. دیکھتی تو شائد پچھے کام بن جاتا..“

اوئے پچی پچی تمہیں پچھے یاد نہیں آتا..“

”مجھے؟.. مجھے اپنے آسمان یاد آتے ہیں جہاں کوئے نہیں عقاب پرواز کرتے

ہیں.. وہ گھریاد آتے ہیں جہاں سے سر شام دھواں اٹھتا ہے تو ان آبشاروں تک جاتا

ہے جو بلندیوں سے بوچھاڑ کرتے چٹانوں میں گھرے تالابوں میں گرتے ہیں.. ہر

بلندی کی آغوش میں ایک ایسی جھیل روپوش ہے جس میں کوئی دو شیزہ بے خطر

بے لباس تیر سکتی ہے اور میں ان سب کو ترک کر کے افغانستان کے بے آب و گیاہ

ویرانوں اور حس جمال سے یکسر عاری لوگوں کی مدد کے لیے آگیا ہوں..“

”کیا تم پچھتارے ہو؟“

”نہیں.. میں تو گروزنی کا احسان چکانے آیا ہوں.. لیکن میں نے بہت

کچھ ترک کیا ہے.. جانی اور ہاشم میر کی طرح آسائشیں تو نہیں البتہ ڈھیر سارا حسن ترک کیا ہے.. آسائشیں حاصل کی جاسکتی ہیں حسن نہیں..”

”جانی نے تو نیلی آنکھوں والی خانہ بدوض لڑکی کے لیے سب کچھ ترک کیا ہے.. کیوں جانی...“ مرضی نے اسے چھیڑا کہ شائد وہ بولنے لگے۔

جانی کے مردہ بازوں میں ہلکی سی.. ایک خفیف سی حرکت سے آگاہ نہیں ہو سکتے تھے لیکن وہ سب اس اندھیرے میں اس خفیف سی حرکت سے آگاہ نہیں ہو سکتے تھے لیکن جانی گھوڑے کو آغوش میں لیے ہوئے اس کی مردہ جلد پر ناک رکھے اس سے مخاطب ہوا۔ ”نہیں میں نے وہ سب کچھ صرف اپنے آپ کے لیے ترک کیا.. اپنے قصور کامل کے لیے..“

”یارا! ہم اپنے دیر کے مالٹے چھوڑ آئے..“

”چپ کر اوئے خان.. میرے ہاں تو چھوڑ نے کو کچھ تھاہی نہیں، پر پھر بھی.... سردیوں میں بھی کنویں کا جو نیم گرم پانی بھاپ دیتا تھا اسے... اور زینب جس نے میری طرف دیکھا ہی نہیں تھا، اسے تو چھوڑ آیا ہوں ناں.. اور اپنے قبرستان کو چھوڑ آیا ہوں..“

”کیا فرق پڑتا ہے کہ انسان کہاں دفن ہوتا ہے.. دفن ہوتا ہے یا بے گور و کفن قلعہ جنگلی کے صحن میں پڑا رہتا ہے اور گدھوں اور کتوں کی خوراک بنتا ہے..“

ہاشم میر نے تختی سے کہا۔ وہ اللہ بخش کی جہالت سے تنج آپ کا تھا...“ فرق تو پڑتا ہے ناں میر صاحب.. اپنے قبرستان میں تمہارے ارد گرد تمہارے بزرگ اور تمہارے پیارے تمہارا خیال رکھتے ہیں۔ تم اکیلے نہیں ہوتے اور جمعرات کے

جمعرات تمہاری قبر پر کوئی نہ کوئی آکر کلام پاک پڑھتا ہے اور دیا جلاتا ہے..“

”یارا! اللہ بخش تم مرنے والے بنو.. دیا میں جلا دوں گا، یہ وعدہ رہا..“

”بھائی جی، ہم نے ناں مر بھی جانا ہے..“ اللہ بخش کو دکھ ہوا کہ اس میں

آج سب سے بڑھ کر ہمت تھی اور کوئی اس سے باقی نہیں کرتا تھا۔ وہ دکھ میں
چپ ہو گیا...

رات کی وہ تاریکی مزید گہری ہو گئی..

سبھی چپ ہو گئے..

نیند سے یاقاہت سے.. چپ ہو گئے اور تاریکی مزید گہری ہو گئی..

ساعتیں خاموش اور تہہ خانے کے اندر ہیرے میں بے نام گزرتی گئیں..

”صحح ہو گئی ہے۔“ کسی نے سرگوشی کی۔ ”تیسری سیرھی پر روشنی ہو رہی

ہے.. بہت مضم کی روشنی اتر رہی ہے..“

”صحح نہیں ہوئی..“ بیگ میں یہ بہت تھی کہ وہ بلند آواز میں بول سکتا۔

”میں سویا نہیں.. جاگ رہا ہوں۔ وہاں تیسری سیرھی پر دھوپ نہیں چاندنی ہے جو

بہت مضم ہے..“

جو خاموش اور اندر ہیرے میں بے نام ساعتیں بے شمار گزری تھیں، ان
کے بعد پچھی چھی نے اللہ بخش کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ”پاکستانی، دیکھو...
چاندنی تیسری سیرھی پر سے اتر رہی ہے۔ ابھی ہم تک آجائے گی اور ہمارا سینہ روشن
کر دے گی.. دیکھو..“

اللہ بخش کیا دیکھتا.. اس کی آنکھیں مردہ ہو چکی تھیں..

اتناسرد ہو چکا تھا کہ اس کا ریز رہ ریزہ بدن اب جڑ چکا تھا اور اکثر چکا تھا..

آنکھیں مردہ ہو کر ڈھیلی ہو کر ڈھلک چکی تھیں..

چاندنی تیسری سیرھی سے آگے نہ ہوئی... کہ آگے اس تہہ خانے میں

موت کی پہلی سردی تھی..

وہ بے شک خود مر نے والے تھے.. ان کے زخم نا سور بن کر انہیں خود بو دے رہے تھے.. ان کی اپنی غلاظت جو تہہ خانے کے ایک کونے میں ڈھیر تھی، اس کی بو سے انہیں اب کامیاب آ رہی تھیں۔ ان کے بھتے ایک تیز رفتار تھے کے نیچے کچلے جانے والے بدن کی مانند سکتے اور خون بھرے تھے۔ اگرچہ یہ جما ہوا پڑیوں والا چکیلا خون تھا لیکن ان کے لیے بھی جو بے شک خود مر نے والے تھے، وہ بو برداشت سے باہر ہو رہی تھی جو تہہ خانے کی سیڑھیوں سے اتر کر ہوا کو گھنی کرتی ان کی ناکوں اور حلق میں اترتی تھی..

ایک کتا، ایک مویشی کہیں مرا پڑا ہو تو میلوں تک اس ہوا میں سانس لینے والے منہ پر رومال رکھ لیتے ہیں۔ چادر کا پلوناک پر رکھ لیتے ہیں۔ قلعہ جنگی کے صحن میں کئی دن سے سینکڑوں انسان مرے پڑے تھے اور یہاں جانور انسان سے کہیں برتر ہو جاتا ہے کہ مرے ہوئے جانور میں سے وہ متلی آور بسامد نہیں آتی جو انسانی لاش کے گلتے سڑتے رگ و ریشے میں سے اٹھتی ہے۔ شام کا دس لیے کہ جانور کی لاش کا گلنا سڑنا قدرتی نظام کے عین مطابق ہے جبکہ انسانی لاش مرنے کے کچھ دیر بعد ہی اپنی بو سے خبردار کرتی ہے کہ مجھے فوراً دفن کر دو۔ جلا دو۔ بہادو۔ اور جب ایسا نہیں کیا جاتا تو اس کی بدبو احتجاج کرتی ہے کہ میں یوں کھلی فضائیں گلنے سڑنے کے لیے نہیں، قدرت نے جو طریقے طے کئے ہیں، ان

کے مطابق میرے ساتھ سلوک کرو ..

قلعہ جنگی کے صحن میں پڑی سینکڑوں لاشیں یہی احتجاج کر رہی تھیں ..
مزار شریف کی جانب سے اس لیے بھی کوئی بھی کئی دن سے ادھر نہیں
آیا تھا کہ انسانی فنا کا یہ احتجاج وہاں تک جاتا تھا .. اور مزار کے گرد طواف کرنے
والے منہ پر رومال رکھنے پر مجبور ہو جاتے تھے ..

یہ بو شہر کے گھروں میں تھی .. ان کے بستروں اور تکیوں میں سرائت کر
چکی تھی اور وہ رات کو مشکل سے سوتے تھے ..

صرف بُخ کے شکستہ وجود میں وہ آتش پرست بوڑھا آہورا مزدا کی مقدس
آگ کے سامنے اطمینان سے بیٹھا تھا کہ آگ بُو کو جلاتی جاتی تھی ..
بُو کا واحد منع قلعہ جنگی کی گلکتی سڑتی لاشیں نہ تھیں، ان کے ادھرے
ہوئے بدن اور گھوڑے کا ڈھانچہ ہی نہیں تھا بلکہ ان کی اپنی غلاظت بھی تھی ..
ایک کونے میں جہاں وہ فارغ ہوتے تھے، وہاں ایک ڈھیر لگا تھا جو ریستارتا تھا
خانے کے فرش پر پھیل چکا تھا اور اس کی بُواس بند قبر میں کئی دنوں سے ٹھہری
ہوئی تھی .. یہ غلاظت گھوڑے کی لید میں شامل ہو چکی تھی تو وہ اگر فرش پر نیم مردہ
پڑے تھے تو صرف لید میں ہی نہیں اپنے بول و براز میں بھی لٹھرے ہوئے
تھے ..

بُو کا تازہ ترین مأخذ ایک اور بھی تھا .. اللہ بخش کی لاش ...
اس کے مردہ اعضاء ڈھیلے پڑ کر اپنے اندر جو کچھ تھا، اسے خارج کر چکے
تھے ..

اتھی اور ایسی اور اس قسم کی بُو کسی بھی انسان کی فہم میں نہیں آسکتی ..
صرف ایک مردے کی بُو تو فہم میں آسکتی ہے کہ ہر ایک کو کہیں نہ کہیں یا اپنے گھر
میں کبھی نہ کبھی یہ تجربہ ہو جاتا ہے .. لیکن دھوپ میں پڑی سینکڑوں کئی پھٹی لاشوں

میں سے اٹھنے والا تعفن.. پھر اپنے ہی بدن کی مُردنی کی بُو... اپنے ہی بول و براز میں لکھڑا ہونا.. اور ایک ساتھی کی خراب ہوتی لاش.. یہ سب کسی بھی انسان کے فہم میں کیسے آسکتا ہے۔ جب تک کہ اس نے خود قلعہ جنگی کے اس تھہ خانے میں بھوک اور نقاہت میں سانس نہ لیا ہو..

چی پی نے کسی فرد سے مخاطب ہو کر نہیں تھہ خانے کی تاریکی اور بُو سے روہانسا ہو کر کہا۔ ”یہ تو مجھ سے باتیں کرتا تھا.. مجھ سے کہتا تھا، تیراٹخ کہاں ہے.. شائد آج اسی لیے اس میں ہمت آگئی تھی کہ اس نے مر جانا تھا.. اسی لیے اتنی باتیں کر رہا تھا.. لیکن یہ کیسے چپ ہو گیا.. یکدم مر گیا.. باتیں کر رہا تھا، چپ کیسے ہو گیا۔“

”جیسے اوپر جو پڑے ہیں، وہ مر گئے چی پی..“ ہاشم نے ابھی ابھی ایک پارچہ نگلنے کی سعی کی تھی اور وہ مسلسل ابکائیاں لے رہا تھا۔ ”وہ بھی تو باتیں کرتے تھے.. تمہارا کیا خیال ہے، وہ گونگے تھے.. باتیں کرنے والے ہی تو مرتے ہیں.. جو چپ رہتے ہیں، وہ کب مرتے ہیں..“

”مجھ سے کہتا تھا سر گودھا کا کنوں دیر کامالا سے اچھا ہوتا ہے۔“

”آپ سب چپ ہو جاؤ..“ وہاب کی آواز تھی۔ ”ہم تو ابھی اس مردہ گھوڑے کو کھاتے ہیں، پرانے اللہ بخش کو اس کا پاک صاف رزق مل رہا ہو گا.. اسے مُردہ نہ کہو۔“

چاندنی جانے کس ساعت لوٹ گئی تھی، پھر سوری ہوئی تھی اور پھر دھوپ تیسری بیٹھی پر پھیلنے لگی تھی..

اس کائنات کے، اس دن رات کے عجیب و اہمے اور دستور ہیں.. ایک موت کے منتظر بیمار کے لیے دن کا وقت.. جب روشنی ہوتی ہے اتنا ہولناک نہیں

ہوتا جتنی کہ رات.. بیشتر موتیں شام ڈھلے یا رات کے سے ہوتی ہیں.. تاریکی موت کی معاون ثابت ہوتی ہے.. انسانی بدن کے اندر کچھ نہ کچھ بُجھ جاتا ہے اور موت غالب آ جاتی ہے..

چنانچہ جو روشنی دکھائی دے رہی تھی جس کی دھوپ میں ذرتے تیرتے تھے، وہ ان کو بے شک چند لمحوں کے لیے ہی سہی، زندگی کے قریب کرتی تھی.. وہ جہاں کہیں تھے، اپنی بدنی حالت کو کروٹ میں بدلنے کی سعی کرتے تھے۔

”مجھے اب بھی لگتا ہے کہ وہ بولنے لگے گا.. ہم بھی تو بہت دیر مردہ رہنے کے بعد بولنے لگتے ہیں.. اس اندھیرے میں وہ دکھائی تو نہیں دے رہا، صرف مجھے اس سمت کی پہچان ہے جدھر سے اس کی آواز آیا کرتی تھی اور وہ سمت بہت دیر سے چپ ہے.. ہو سکتا ہے وہ زندہ ہو..“

”نہیں..“ مرتضی بیگ کی آواز بھی تھک رہی تھی۔ ”تمہیں اس سمت سے آنے والے فضلے کی بوئے جان لینا چاہیے کہ وہ مر چکا ہے.. یاد ہے ہم قندوز میں اپنے مر چکے ساتھیوں کی پہچان اسی طرح کرتے تھے۔“

”اس کو دفن کرنا ہے یارا.. لاش کا بے حرمتی ہوتا ہے پڑے پڑے..“ اس نے مرنے سے پہلے سب سے زیادہ باتیں گل شیر ولی سے کی تھیں اور وہ اپنے آپ کو اس کی موت کا ذمہ دار سمجھتا تھا..

”اوپر صحن میں جو سینکڑوں بے حرمتی ہو رہا ہے، اس کے بارے میں کیا کہتے ہو خان صاحب.. ادھر کوئی خُرمت، کوئی بے خُرمتی نہیں.. کوئی جنت، کوئی دوزخ نہیں.. اور کوئی شہادت نہیں جس کی آرزو میں ہم ادھر آئے تھے.. صرف بُو ہے اور موت ہے۔“

”ادھر ہی تہہ خانے میں دفن کر دیتے ہیں.. اتنا دیر دفن کے بغیر رکھنا اجازت نہیں یارا..“

”اس کی قبر تمہارا باپ کھو دے گا۔“ تھکی ہوئی آواز میں ایک جھنجلا ہٹ، ایک غصہ ابلنے لگا۔ ”اگر باپ بھی کھو دے گا تو کیسے کھو دے گا.. ہیں؟“

”یارا باپ تک مت جاؤ.. بیگ تم ٹھیک کہتا ہے۔ مجھے بھی معلوم ہے کہ ہم اٹھنے سے بھی لاچا رہے تو قبر کیا خاک کھو دے گا.. پر یارا یہ ہمارا ساتھی تھا تو بس خواہش کرتا ہے کہ اس کا لاش خراب نہ ہو.. یا ایسا کرو کہ اسے اٹھا کر.. سب کوشش کرے تو کیا پتہ اللہ تعالیٰ مدد فرمائے اور ہم اسے اٹھانے.. تو اسے اٹھا کر اور پر ان بھائیوں کے برابر میں رکھ آتے ہیں، اس پر بھی انوار کا بارش ہو گا۔“

”نہیں...“ وہاب کا رد عمل فوری تھا۔ ”اس کی لاش ان میں پڑی دور سے پہچانی جائے گی کہ یہ تازہ تازہ مرا ہے.. اس کا مردہ ابھی سالم ہے... منہ میں مٹی نہیں اور ہاتھ کھلے ہیں اور ابھی ڈھیلا ہے، اکڑا ہوا نہیں تو دور سے پہچانا جائے گا اور پھر وہ جان جائیں گے کہ یہاں ہم ہیں.. نہیں۔“

”یہ بھی عقل کی بات ہے عربی۔“ گل شیر نے ہتھیار ڈال دیئے۔ ”ٹھیک ہے ادھر ہی پڑا رہنے دو ہمارے پاس... رونق رہے گا.. ساتھی ہے چاہے مردہ ہے۔“

ان پر کچھ لمحے.. بے حد مختصر اور طویل و قفوں کے بعد ایسے آتے تھے جب وہ باقاعدہ چھکنے لگتے تھے، اگرچہ کراہتے ہوئے لیکن بولنے لگتے تھے.. جدھر جدھر پڑے تھے، ادھر پڑے باقیں کرنے لگتے تھے اور پھر ان کی سکت ساتھ چھوڑ جاتی تھی اور وہ بے ہوشی میں چلے جاتے تھے..

اسی بے ہوشی میں اترے ہوئے ان کو شایبہ ہوا کہ اوپر قلعہ جنگی کے صحن میں کوئی ہے.. کوئی چلتا ہے.. یہ صرف شایبہ ہی ہو سکتا تھا، وہاں کس نے ہونا تھا.. شمال والے قندوز اور مزار شریف کے بعد کابل کی جانب بڑھنے کی تیاریوں میں مگن تھے.. امریکی طیارے دن رات اس مفروضے کو باطل ثابت کر

رہے تھے کہ کوہ سار باقی افغان باقی .. نہ کوہ سار تاب لارہے تھے اور نہ افغان ..
کارپٹ بومینگ سے چپے چپے ملیا میٹ ہو رہا تھا.. اور کابل کے، اسے میں جتنی بھی
آبادیاں تھیں، دیہات تھے، انہیں ڈیزی کثر۔ کلستر اور بنکر بسٹر دفن کر رہے
تھے ..

تو ادھر کس نے دھیان کرنا تھا..

کس نے آنا تھا..

اگر کوئی ادھر آنے کی نیت بھی کر لیتا تو اتنی بُوا سے واپس دھکیل دیتی۔

مزار شریف سے کوئی بھی انسان کئی دن سے ادھر نہیں آیا تھا..

صرف ایک بچہ فرمان اللہ آیا تھا جس نے واپسی پر اپنے تمام دوستوں کو
اطلاع کر دی تھی کہ ابھی قلعہ جنگی کا صحن فٹ بال کھینے کے لیے موزوں نہیں ..

البتہ کچھ کتے آئے تھے ..

وہ بُو سونگھتے آئے تھے ..

پچھلی رات آئے تھے ..

یہ کئے پچھلی رات بُو تھیاں اٹھا کر قلعہ جنگی کے اوپر جو آسمان تھا اور جو
ابھی تک نہیں گرا تھا، اس کی جانب بُو تھیاں اٹھائے دیر تک روتے رہے تھے ..
ان کتوں نے چند لاشیں بڑی رغبت سے جھنجوڑی تھیں .. ایک آدم بُوئی بھی نوچی
تھی لیکن انہیں بھی یہ نمدار حسب ذاتہ نہیں لگا تھا.. انہیں بھی بُو آتی تھی اور وہ
ساری رات رونے کے بعد مزار شریف واپس چلے گئے تھے اور وہاں مزار کے گرد
طواف کرنے والے زائرین جب باہر آتے تھے تو ان کے سامنے دُمیں ہلاہلا کر
روٹی کے ایک چنپے کی خواہش کا اظہار کرتے تھے .. اگرچہ انہیں اس میں کامیابی کم
ہی نصیب ہوتی تھی .. وہ تو پھر کتے تھے، انسان کے بچے بھی لاکھوں کی تعداد میں
بھوکے تھے اور کسی کے آگے دُمیں بھی نہیں ہلا سکتے تھے .. مسلسل خانہ جنگی ..

مسلسل جہاد... طالبان کی بے پرواںی اور خشک سالی سے ملک بھر میں دھوپ اٹھتی تھی اور پیٹ خالی تھے.. صرف کتنے آئے تھے، شائد گدھ نہیں آئے تھے..

صحن میں بکھرے مردوں کو یہ سہولت مل گئی تھی کہ انہیں گدھوں نے نہیں نوچا تھا کیونکہ مزار شریف اور بُلخ کے علاقوں میں گدھ بہت کم تعداد میں پائے جاتے تھے.. قحط نہ بھی ہوتا تو ادھر مال مویشی کم ہوتے تھے، اس لیے کم مرتے تھے اور گدھوں کے لیے رزق کا فقدان تھا..

ایک زمانے میں ادھر گدھوں کا راجح ہوا کرتا تھا..

وہ دور دور سے.. ادھر ازبکستان اور تاجکستان سے اور بد خشائی سے جو ق در جو ق ادھر آتے تھے کہ ادھر رزق بہت ہوا کرتا تھا.. جب بلخ آتش کدوں کا شہر تھا.. آتش پرستوں کے بلند موت کے میناروں پر دھرے مردے ان کی ضیافت کا سامان بنتے تھے.. وہ مردے قلعہ جنگی کے صحن میں بکھرے مردوں سے کہیں زیادہ پُرزا نہ ہوا کرتے تھے کیونکہ تازہ تازہ ہوا کرتے تھے.. اور پھر جب ادھر اسلام کے عقیدے نے جڑیں پکڑیں تو گدھوں کا رزق کم ہو گیا.. وہ اپنے مردوں کو دباتے تھے.. گدھ ان علاقوں سے کوچ کر گئے..

شائد کبھی ایک آدھ گدھ قلعہ جنگی کے صحن میں بھی اترنا ہو اور اتنے متغیر گوشت کو سامنے پا کر اسے بھی ابکانی آگئی ہو کہ بے شک ایک گدھ ہو، پھر بھی اس کی بھی توحی جمال ہوتی ہے اور وہ ایک دونوں اپنی چوچیں میں بھر کر تائب ہو گیا ہو اور چلا گیا ہو.. شائد ایک آدھ گدھ... بہر حال سرکاری طور پر اس کا کوئی ریکارڈ نہیں محض قیاس ہے..

اُن سب پر ایک طویل وقفے کے بعد وہ لمحہ پھر آیا جب وہ اپنی سکت مجتمع کر کے بول سکتے تھے..

دھوپ چوتھی سیرھی کے آس پاس تھی اور ادھر دوپھر ہونے کو تھی..

سب سے پہلے جانی نے گھوڑے کے ڈھانچے سے اپنے بازو والگ کئے..
اور ہاں جب وہ بولتے تھے تو ایک دوسرے کا سامنا کر کے تو نہیں بولتے
تھے۔ جدھر جہاں کوئی بھی ہوتا تھا، اپنی نیم مردی میں بولتا تھا اور جو جہاں بھی ہوتا
تھا وہاں سے جواب دیتا تھا اور اندر ہیرا حکمران رہتا تھا.. چوتھی سیڑھی پر دھوپ اتر
آنے سے بھی تہہ خانے کی تاریکی میں نمایاں فرق نہیں پڑتا تھا..

اور کبھی وہ بیک وقت بولنے لگتے.. کسی کو بھی مخاطب نہ کرتے، اپنے
آپ سے.. اندر ہیرے سے اللہ بخش کی لاش سے... گفتگو کرنے لگتے..

تو جانی نے گھوڑے کے ڈھانچے سے اپنے بازو والگ کئے اور ذرا سا کھکھ
کر کسی کے قریب ہوا۔ ”کوئی بتائے گا کہ اب ہمیں کیا کرنا ہے؟“

”کیا پتہ کیا کرنا ہے امریکی..“ یہ گل شیر تھا جس کے قریب جانی ہوا تھا..
”مر جانے کا انتظار تو نہیں کرنا.. ہم نے ہتھیار زندہ رہنے کے لیے ان کے
حوالے کئے تھے.. پھر اس تہہ خانے میں آچھے ہیں تو مر جانے کے لیے تو نہیں
آئے، اس آس میں آئے ہیں کہ شائد زندہ رہ جائیں.. تو ہمیں ابھی یہ فیصلہ کرنا
ہے کہ اب ہم کیا کریں گے.. میں تم سب کی نسبت زیادہ مردی میں ہوں اور ہو
سکتا ہے کہ رات تک میں بھی اللہ بخش کے برابر میں پڑا ہوں.. تم سب کی حالت
بھی ایسی ہے کہ رات تک نہ سہی، کل سوری تک تم بھی ہم دونوں کے ساتھ شامل
ہو جاؤ گے.. تو پھر ابھی سے فیصلہ کر لیں کہ کیا کرنا ہے..“

”تم بتاؤ.. تم خود بتاؤ جانی..“

”میں کیا بتاؤں.. میں جانتا تو تم سے کیوں پوچھتا.. کیونکہ میں تو شک اور
شمندگی کی دلدل میں پھنسا ہوں کہ یہ میں نے کیا کیا.. کن کے لیے لڑنے کے
لیے آگیا.. براؤنی نے مجھے یہ احساس دلایا..“

”براؤنی نے..“

”ہاں، میرے ذاتی پونی براؤنی نے.. وہ ابھی ابھی میرے خواب میں تھا۔ میں اس پر سوار ایک ہرے بھرے وسیع میدان کے بیچ میں ڈالکسی چال پر جارہا ہوں.. اس کی پیٹھ تھپک رہا ہوں جس کی جلد ڈوبتے سورج کی کرنوں میں چک رہی ہے اور وہ مجھ سے کہتا ہے.. جانی اپنے آئینڈیل کے حصول کے لیے تمہاری نیت پر شک نہیں کیا جاسکتا لیکن تم نے ابھی تک مٹھنڈے دل سے سوچا نہیں... جذبات میں بھڑکتے ادھر آنکھے ہو.. کہیں ایسا تو نہیں کہ تم طالبان کا ساتھ دے کر جہالت اور پسمندگی کو فروغ دے رہے ہو.. بے شک وہ نیت کے کھرے اور شفاف لوگ ہیں لیکن تم جانتے ہو کہ وہ پتھر کے زمانے کا ایک سماج قائم کر رہے ہیں.. جس میں تعلیم یافتہ عورتیں کامل میں بھیک مانگ رہی ہیں.. بیوائیں گھر بیٹھی بھوکی مر رہی ہیں کیونکہ محرم کے بغیر وہ باہر نہیں نکل سکتیں.... کھلاڑی نیکریں نہ پہن سکتیں کہ ان کی نانگوں کو دیکھ کر ملاوں کا ایمان ڈگمگانے لگتا ہے.. ریڈیو، ٹیلیویژن سب سے بڑے شیطان ہوں... وہ شمال والوں کی خوبصورت عورتیں چن چن کر اٹھالا ہیں اور زبردستی ان سے نکاح پڑھوالیں۔ ایک افرانفسی اور بربادی ہو.. تمہیں پتہ ہے کہ تمہارا امیر المؤمنین ملا عمر بھی قدمدار سے نکل کر ہرات تک نہیں گیا.. کیا یہی تمہارا القصور کامل ہے.. یہ کیسا جہاد ہے جس میں تمہارے مقابل بھی تمہارے ہی عقیدے کے لوگ ہیں.. یہ تم کیا کر رہے ہو...“

جانی یکدم چپ ہو گیا..

”یہ تم سے تمہارے پونی نے کہا.. براؤنی نے کہا؟“

”ہاں...“

”پہلے کیوں نہیں کہا.. اب جا کر جب بہت دیر ہو گئی ہے، کیوں

کہاں..“

”اس لیے کہ ابھی... ان مردہ حالتوں میں پہنچ کر اس تہہ خانے کی تھائی